Title

زیرسرپرستی

مولانا عبدالستار حفظہ اللہ

فہم وفکر

باتیں آپ کی اور ماہنامہ فہم دین — مدیر کے قلم سے — 04

اصلاحی سلسلہ

فہم قرآن — شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم — 05

فہم حدیث — مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ — 06

آئینہ زندگی — حضرت مولانا عبدالستار حفظہ اللہ — 08

مضامین

فرد کی اصلاح اور اتحاد امت — محمد کاشف تبسم — 10

محبت — ڈاکٹر ذیشان الحسن عثمانی — 12

ٹیپو سلطان — ام مصطفیٰ — 14

ابو عبداللہ حارث محاسبی — حذیفہ رفیق — 16

قوم کی جان — طارق محمود — 17

باورچی خانہ اور ہماری صحت — حکیم شمیم احمد — 18

مسائل پوچھیں اور سیکھیں — مفتی محمد توحید — 20

خواتین اسلام

اسلام کی باہمت خواتین — اہلیہ محمد فیصل — 22

عالمی یوم اطفال — بنت عامر — 24

باپ کا بیٹی کے نام خط — محمد دانش — 28

بچی خوشی — آسیہ عمران — 30

باغیچہ اطفال

گولو کے گول گپے — ڈاکٹر الماس روحی — 33

ننھے ادیب — 34

انعامات ہی انعامات — 36

بزم ادب

موجِ تبسم — ابنِ تبسم — 37

برما لہولہان ہے — جوہر عباد — 38

بچوں کے فن پارے — 41

گلدستہ — ادارہ — 42

باتیں آپ کی — ادارہ — 45

اخبار السلام

خبر نامہ — ادارہ — 46

دینی اخلاقی اور معاشرتی اقدار کا علمبردار

ماہنامہ فہم دین

کراچی

نومبر 2017ء

مدیر: محمد خرم شہزاد

نائب مدیر: محمد کاشف تبسم

ناظم: خالد عبدالرشید

کمپوزنگ: مظفر بھٹو

نظرثانی: طارق محمود

تزئین وآرائش: نوید فرید

آراء وتجاویز کے لیے

0304-0125750 | 0333-4573885

ڈاک سے متعلق امور کے لیے

0323-3229313 | 021-35393912

اشتہارات کے لیے

0314-2981344
marketing@fahmedeen.org

خط وکتابت اور بذریعہ منی آرڈر رسالہ کے اجراء کے لیے

C-26 گراؤنڈ فلور بن سیٹ کمرشل اسٹریٹ نمبر 2، خیابان جامی، بالمقابل بیت السلام مسجد، ڈیفنس فیز 4 کراچی

زر تعاون

فی شمارہ: 40 روپے

اندرون کراچی سالانہ (بذریعہ کوریئر): 520 روپے

بیرون کراچی سالانہ (بذریعہ رجسٹری): 520 روپے

بیرون ملک بدل اشتراک: 35 ڈالر

ناشر: فیصل زبیر | مطبع: واسا پرنٹر | مقام اشاعت: دفتر فہم دین

ARABIAN JEWELLERS
A DREAM COME TRUE
SINCE 1978

A class by *itself....*

+92 21 3567 5525 - +92 21 3521 5251
arabianjeweller@gmail.com
www.arabianjewellers.com

Arabianjewellers Arabianjewellers Arabianjewellers

باتیں دِل کی ترجمان ہوتی ہیں۔ باتیں کانوں میں رس گھولتی ہیں۔ باتیں اپنائیت کا احساس پیدا کرتی ہیں۔ باتیں دِلوں کو دِلوں سے ملا دیتی ہیں۔ باتیں اَنجان کو جاں نثار بنا دیتی ہیں۔

آج باتوں باتوں میں بات کرنے کو جی چاہ رہا ہے' کیوں کہ "باتیں آپ کی" ہیں۔ کہیں بات میں بات ملاؤں گا تو کہیں بات سے بات نکالوں گا' کیوں کہ "باتیں آپ کی" ہیں۔

جی تو بات یہ ہے کہ ہماری باتیں تو آپ سنتے رہتے ہیں اور قلم کاروں کی پڑھتے رہتے ہیں' لیکن آپ کی باتیں نہ سننے کو ملتی ہیں اور نہ پڑھنے کو

اور سچی بات یہ ہے کہ ہم بھی "باتیں آپ کی" سننا چاہتے ہیں

اور جن کی باتیں آپ فہمِ دین میں پڑھتے نہیں تھکتے' وہ بھی اپنی کہانیوں اور مضامین پر آپ کے دِل میں آنے والی سچی اور کھری باتیں سننا چاہتے ہیں۔

جی تو سو باتوں کی ایک بات یہ ہے کہ اگر قلم کار کی تخلیق کردہ سماج کہانی آپ کو اچھی لگی ہے تو وہ چاہتا ہے کہ آپ بات میں بات ملا کر اس کی حوصلہ افزائی کر دیں

اور اگر وہ تحریر کسی وجہ سے آپ کے دِل نشین نہ ہو سکے تو وہ اُس پیج کو سمجھنے کے لیے بھی "باتیں آپ کی" کا منتظر ہوتا ہے' تاکہ وہ اپنے قارئین کا مزاج سمجھ کر

آئندہ سے اپنی تحریروں میں وہ باتیں کرے' جو دِل میں کُھب جانے والی ہوں اور بات اتنی سی ہے کہ یہ سب پتا چلے گا "باتیں آپ کی" سے۔

قارئین! اب صرف ایک بات رہ گئی' جسے جاننے کے لیے آپ بے چین ہو رہے ہیں کہ یہ "باتیں آپ کی" ہے کس بات کا نام' جس کے لیے اتنی باتیں بنائی جا رہی ہیں

تو سچی بات یہ ہے کہ یہ آپ کی باتیں ہیں جو فہمِ دین ہاتھ میں آنے کے بعد صفحے پلٹتے پلٹتے آپ کے دِل میں آتی ہیں'

بل کہ کبھی کبھی آپ دِل ہی دِل میں مسکرا بھی دیتے ہیں اور زیرِ لب ان باتوں کو بُڑبُڑا بھی دیتے ہیں۔

اچھا اِکا دُکا باتیں ہمارے کان تک بھی پہنچ جاتی ہیں کبھی واٹس اپ کے ذریعے تو کبھی میسج اور خط کے ذریعے۔

اِک زمانہ تھا ہم اِن باتوں کو کھلے بندوں "مراسلات" کی زینت بنا دیتے تھے' مگر پھر اس صفحے کے غائب ہوتے ہی یہ باتیں آئی گئی اور سنی اَن سنی ہو گئیں'

مگر اب پھر یہ بات ذہن میں اُترے جا رہی ہے کہ "باتیں آپ کی" کے بغیر فہمِ دین بے مزہ رہے گا۔

سارا فہمِ دین پڑھ کر بھی یہ احساس ہوتا رہے گا کہ کسی اپنے کی باتوں کی کمی محسوس ہو رہی ہے اور وہ "باتیں آپ کی" ہیں۔

قارئین! نئے زمانے کی نئی بات! جو ہے آج کی بات! وہ یہ کہ فہمِ دین پڑھ کر جو بات دِل میں آئے' وہ اب دِل میں ہی گھٹ کر مر نہیں جانی چاہیے'

بل کہ وہ کاغذ کی زینت بنا کر یا واٹس اپ کی کشتی میں سجا کر ہمیں ارسال کر دیجیے۔

ہم آپ کی باتوں کو سارے قارئین تک پہنچانے کے لیے ایک نیا سلسلہ شروع کر رہے ہیں "باتیں آپ کی"

جس میں آپ اپنے ہر دِل عزیز رسالے فہمِ دین کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار کریں گے۔ وہ آپ کے تبصروں کی دُنیا ہو گی'

اس میں آپ باتوں باتوں میں دِل کی بھڑاس بھی نکال سکتے ہیں اور محبت کی پریم کہانی بھی سنا سکتے ہیں۔

تو بس پھر قلم ہاتھ میں تھامیے' کاغذ سامنے رکھیے اور فہمِ دین کو گود میں اور آج اسے پڑھنے کا انداز ہی بدل دیجیے۔ ہر صفحہ پڑھتے جائیے اور دِل میں آئی بات کہانی بنا کر لکھتے جائیے۔

اب یہ کہانی ہر گھر میں پڑھی جائے گی اور انھی باتوں کی روشنی میں کہانی کار کا قلم نکھرتا چلا جائے گا اور فہمِ دین کا قد بڑھتا چلا جائے گا

اور سب سے بڑھ کر آپ بھی قارئین کی فہرست سے نکل کر قلم کاروں میں شامل ہو جائیں گے تو

ہمیں انتظار رہے گا "باتیں آپ کی" کا' کیوں کہ "آپ" اور "باتیں آپ کی" ہمارے لیے بہت اہم ہیں۔ والسلام

اخو کم فی اللہ
محمد خرم شہزاد

رَبَّنَآ اٰمَنَّا بِمَآ اَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ 53

ترجمہ: "اے ہمارے رب! آپ نے جو کچھ نازل کیا ہے' ہم اس پر ایمان لائے ہیں اور ہم نے رسول کی اتباع کی ہے۔ لہٰذا ہمیں ان لوگوں میں لکھ لیجیے' جو (حق کی) گواہی دینے والے ہیں۔" 53

وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ 54

ترجمہ: "اور ان کافروں نے (عیسیٰ علیہ السلام کے خلاف) خفیہ تدبیر کی اور اللہ نے بھی خفیہ تدبیر کی اور اللہ سب سے بہتر تدبیر کرنے والا ہے۔" 54

تشریح نمبر 1: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مخالفین نے انھیں سولی پر چڑھانے کا منصوبہ بنایا تھا' لیکن اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھا لیا اور جو لوگ آپ کو گرفتار کرنے آئے تھے ان میں سے ایک شخص کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ہم شکل بنا دیا اور مخالفین نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دھوکے میں اسے سولی پر چڑھا دیا۔ آیت کا جو ترجمہ یہاں کیا گیا ہے وہ عربی لفظ "توفی" کے لغوی معنی پر مبنی ہے اور مفسرین کی ایک بڑی جماعت نے یہاں یہی معنی مراد لیے ہیں۔ اس لفظ کی ایک اور تشریح بھی ممکن ہے جو حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے بھی مروی ہے۔ اس کے لیے ملاحظہ معارف القرآن صفحہ نمبر: 74 جلد 2

اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰٓى اِنِّيْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَيَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ثُمَّ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاَحْكُمُ بَيْنَكُمْ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ 55

ترجمہ: (اس کی تدبیر اس وقت سامنے آئی) جب اللہ نے کہا تھا کہ "اے عیسیٰ! میں تمھیں صحیح سالم واپس لے لوں گا اور تمھیں اپنی طرف اٹھا لوں گا اور جن لوگوں نے کفر اپنا لیا ہے ان (کی ایذا) سے تمھیں پاک کر دوں گا اور جن لوگوں نے تمھاری اتباع کی ہے' ان کو قیامت کے دن تک ان لوگوں پر غالب رکھوں گا جنھوں نے تمھارا انکار کیا ہے۔ پھر تم سب کو میرے پاس لوٹ کر آنا ہے۔ اس وقت میں تمھارے درمیان ان باتوں کا فیصلہ کروں گا' جن میں اختلاف کرتے تھے۔" 55

تشریح نمبر 2: یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ماننے والے (خواہ انھیں صحیح طور پر مانتے ہوں جیسے مسلمان یا غلو کے ساتھ مانتے ہوں جیسے عیسائی) ان کے مخالفین پر ہمیشہ غالب رہیں گے۔ چناں چہ تاریخ میں ایسا ہی ہوتا رہا ہے' البتہ صدیوں کی تاریخ میں اگر کچھ مختصر عرصے کے لیے جزوی طور پر کہیں ان کے مخالفین کا غلبہ ہو گیا ہو تو وہ اس کے منافی نہیں ہے۔

فَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَاُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ 56

ترجمہ: چناں چہ جو لوگ ایسے ہیں کہ انھوں نے کفر اپنا لیا ہے' ان کو تو میں دنیا و آخرت میں سخت عذاب دوں گا اور ان کو کسی طرح کے مددگار میسر نہیں آئیں گے۔ 56

وَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ 57

ترجمہ: البتہ جو لوگ ایمان لائیں ہیں اور انھوں نے نیک عمل کیے ہیں' ان کو اللہ ان کا پورا پورا ثواب دے گا اور اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔ 57

ذٰلِكَ نَتْلُوْهُ عَلَيْكَ مِنَ الْاٰيٰتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيْمِ 58

ترجمہ: (اے پیغمبر!) یہ وہ آیتیں اور حکمت بھرا ذکر ہے' جو ہم تم کو پڑھ کر سنا رہے ہیں۔ 58

اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ 59

ترجمہ: اللہ کے نزدیک عیسیٰ علیہ السلام کی مثال آدم علیہ السلام جیسی ہے۔ اللہ نے انھیں مٹی سے پیدا کیا پھر ان سے کہا: "ہو جاؤ" بس وہ ہو گئے۔ 59

The Burger Shack

AMAZING DEALS

DEAL 1
1 SHACK ORIGINAL
1 JALAPENO CRUNCH
1 ONION RING
1 FRIES
2 DRINKS
Rs. 600

DEAL 2
1 SHACK ORIGINAL
1 FULLHOUSE
1 JALAPENO CRUNCH
1 CLASSIC CRUNCH
1.5 ltr DRINK
Rs. 960

*Inclusive of all taxes.

FREE DELIVERY
TO FORUM OFFICES
+92 316 2129696

Khayaban-e-Seher,DHA | Shaheed-e-millat
Zamzama | The Forum Mall | Lucky One Mall

www.burgershack.org

مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ

فہمِ حدیث

قربِ قیامت

عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ بُعِثْتُ اَنَا وَ السَّاعَةُ كَهَاتَيْنِ

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ”میں اور قیامت ان دو انگلیوں کی طرح ہیں۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: یعنی آنحضرت ﷺ نے کلمۂ شہادت والی انگلی اور اس کے برابر والی بیچ کی انگلی ملا کر فرمایا: میری بعثت میں اور قیامت میں اتنا قرب اور اتصال ہے جتنا کہ ان دو انگلیوں میں۔ اس سے غالباً آپ ﷺ کا مطلب یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کے جتنے دور مقرر کیے تھے وہ سب ختم ہو گئے۔ اب یہ دور اس کا آخری دور ہے جو میری بعثت سے شروع ہوا ہے اور قیامت پر ختم ہو گا۔ میرے اور قیامت کے درمیان کوئی نیا نبی نہیں آئے گا، نہ کوئی نئی امت پیدا ہو گی، اس لیے اس کو بہت دور سمجھ کر اس کی طرف سے بے فکر اور بے پروا نہ ہونا چاہیے۔

عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ مَثَلُ هٰذِهِ الدُّنْيَا مِثْلُ ثَوْبٍ شُقَّ مِنْ اَوَّلِهٖ اِلٰى اٰخِرِهٖ فَبَقِيَ مُتَعَلِّقًا بِخَيْطٍ فِيْ اٰخِرِهٖ فَيُوْشِكُ ذَالِكَ الْخَيْطُ اَنْ يَّنْقَطِعَ۔ (رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اس دنیا کی مثال اس کپڑے کی سی ہے جو اول سے آخر تک پھاڑ دیا گیا اور بس سرے پر ایک دھاگے سے وہ چڑا رہ گیا اور یہ آخری دھاگا بھی بس عنقریب ٹوٹنا ہی چاہتا ہے۔“ (شعب الایمان للبیہقی)

تشریح: پہلی حدیث کی طرح اس حدیث میں بھی قیامت کا قریب ہونا بیان فرمایا گیا ہے اور مقصد یہی ہے کہ قیامت کو بہت دور سمجھ کے اس کی طرف سے غفلت نہ کی جائے، بل کہ اس کو بہت قریب اور ناگہانی پیش آنے والا ایک عظیم حادثہ یقین کرتے ہوئے ہر وقت اس کی فکر اور اس کے لیے تیاری کی جائے۔

عَنْ جَابِرٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ قَبْلَ اَنْ يَّمُوْتَ بِشَهْرٍ تَسْاَلُوْنِيْ عَنِ السَّاعَةِ وَاِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللهِ وَاُقْسِمُ بِاللهِ مَا عَلَى الْاَرْضِ مِنْ نَفْسٍ مَنْفُوْسَةٍ يَاْتِيْ عَلَيْهَا مِائَةُ سَنَةٍ وَهِيَ حَيَّةٌ يَوْمَئِذٍ

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ اپنی وفات شریف سے ایک مہینہ پہلے فرماتے تھے کہ ”تم لوگ مجھ سے قیامت کے متعلق پوچھتے ہو اور اس کا (یعنی اس کے معین وقت کا) علم تو بس اللہ ہی کے پاس ہے اور میں اللہ کی قسم کھا کر یہ کہہ سکتا ہوں کہ روئے زمین پر کوئی متنفس ایسا نہیں ہے کہ اس پر سو سال گزریں اور وہ اس وقت تک باقی رہے۔“ (مسلم)

تشریح: قرآن پاک سے بھی معلوم ہوتا ہے اور حدیثوں سے بھی کہ بہت سے لوگ رسول اللہ ﷺ سے قیامت کے متعلق دریافت کرتے تھے کہ وہ کب آئے گی؟ آپ ہمیشہ اس کے جواب میں وہی فرماتے تھے جو اس حدیث میں آپ نے ارشاد فرمایا یعنی یہ کہ اس کے مقررہ وقت کا علم اللہ ہی کو ہے یعنی وہی جانتا ہے کہ کس سن، کس مہینے، کس تاریخ کو آئے گی۔ اس کا علم اس نے کسی اور کو نہیں دیا۔

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے اس جواب کے علاوہ اور اصل سوال سے زائد ایک بات یہ بھی فرمائی ہے کہ: اس وقت جو لوگ روئے زمین پر زندہ ہیں، وہ سب سو سال کے اندر اندر ختم ہو جائیں گے۔ مطلب یہ ہے کہ قیامت کبریٰ جس میں یہ سارا علم ختم ہو جائے گا، اس کا معین وقت تو مجھے معلوم نہیں، بس! اللہ ہی کو اس کا علم ہے۔ ہاں! اللہ نے مجھے اس کی اطلاع دی ہے کہ اس نسل اور اس قرن کا خاتمہ سو سال تک ہو جائے گا اور جو لوگ اس وقت زندہ ہیں، وہ سو سال پورے ہونے تک ختم ہو جائیں گے، اس لیے یوں سمجھو کہ تمہاری قیامت تو اس صدی کے اندر ہی اندر آ جائے گی۔

"فتنہ" کے معنی: فتنہ عربی زبان کا لفظ ہے' اردو میں بھی استعمال ہوتا ہے اور روز مرہ کی عام بول چال کا حصہ بن گیا ہے۔ جیسے کہا جاتا ہے یہ فتنے کا دور ہے۔ جب بھی کوئی مشکل آتی ہے' پریشانی آتی ہے تو کہتے ہیں : بڑا فتنے کا دور ہے۔ عربی زبان میں فتنے کے معنی آتے ہیں : "امتحان' جانچنا' پرکھنا اور آزمانا۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے : "ہم تمہیں خیر (بھلائی) اور شر (برائی) سے فتنے (آزمائش) کے طور پر آزماتے ہیں۔" جب سونے کو بھٹی میں ڈال کر اس کا خالص پن اور کھوٹ معلوم کیا جاتا ہے تو اس عمل کے لیے بھی "فتنہ" کا لفظ استعمال ہوتا ہے' اس لیے کہ اسے بھٹی میں ڈال کر' انتہائی گرم آگ پر پگھلا کر اس کی اصل حقیقت معلوم کی جاتی ہے۔ اسی طرح "فتنہ" کے ذریعے مومن اور منافق کے درمیان فرق معلوم ہوتا ہے۔ صبر کرنے والے اور بے صبری کرنے والے کے درمیان فرق معلوم ہوتا ہے' شکر کرنے والے اور ناشکری کرنے والے کے درمیان فرق معلوم ہوتا ہے' اللہ کی رضا پر راضی رہنے والے اور شکوے شکایت کرنے والے کے درمیان فرق معلوم ہوتا ہے۔ اس فتنے کے ذریعے اللہ پاک مختلف طریقوں سے اپنے بندوں کی آزمائش کرتے ہیں۔

ایمان والوں کی آزمائش: اللہ تعالیٰ نے فرمایا : "کیا ایمان والوں نے یہ گمان کیا ہے کہ وہ صرف یہ کہنے سے کہ ہم ایمان لے آئے (چھوٹ جائیں گے) اور ان کی آزمائش نہیں ہو گی۔" اگر ایمان والے ایسا سوچتے ہیں تو ان کی یہ سوچ اور خیال درست نہیں ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ آزمائش کے ذریعے خبیث کو اچھے سے الگ کر دیں گے' کھرے اور کھوٹے کی پہچان تو ہو گی' مخلص اور منافق کا پتا تو چلے گا۔ اللہ تعالیٰ کا واضح فرمان ہے : "تاکہ جدا کر دے اللہ تعالیٰ' ناپاک کو پاک سے۔" یہ آیت اس وقت اتری تھی جب کافروں نے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم پر ظلم و ستم کے پہاڑ ڈھا دیے تھے اور پہاڑوں جیسا مضبوط ایمان رکھنے والے یہ لوگ (صحابہ کرام رضی اللہ عنہ) بھی لرزنے اور کانپنے لگے تھے اور انھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا تھا کہ یہ سلسلہ کب ختم ہو گا؟ اس کے جواب میں یہ آیت اتری تھی کہ ایمان کے بعد پھر آزمائش تو ہو گی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ساتھیوں کے کہا کہ تم پر تو کچھ آزمائش بھی نہیں ہے۔ پچھلی امتوں میں جو لوگ صاحبِ ایمان ہوتے تھے ان کی آزمائش تو اس سے کہیں زیادہ بڑھ کر ہوتی تھی۔ ان امتوں میں صاحبِ ایمان آدمی کے لیے گڑھا کھودا جاتا تھا اور اسے اس گڑھے میں زندہ گاڑ کر اس کے سر پر آری رکھ دی جاتی تھی اور پھر اس سے کہا جاتا تھا کہ اللہ کے دین سے دستبردار ہو جاؤ۔ اگر وہ صاحبِ ایمان آدمی انکار کر دیتا تو آری سے اس کے دو ٹکڑے کر دیے جاتے تھے اور بسا اوقات تو زندہ حالت میں اس کی کھال کھنچوا دی جاتی تھی۔ وہ تو مضبوط ایمان والے تھے جو اتنی بڑی آزمائشوں سے گزر گئے' ہم تو کمزور ہیں' اللہ سے ہمیشہ عافیت مانگتے ہیں' ہم آزمائشوں کے قابل نہیں ہیں لیکن ہر شخص کا جتنا ظرف ہوتا ہے اس کے مطابق اس کی آزمائش ہوتی رہتی ہے۔

قرآن کریم کی آیت ہے: "اور البتہ ہم آزمائیں گے تم کو تھوڑے سے ڈر (خوف) اور بھوک اور مالوں اور جانوں اور پھلوں کے نقصان سے' اور (آپ) صبر کرنے والوں کو خوش خبری دے دیجیے۔" اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں سے خطاب کیا ہے کہ ہم تمہاری آزمائش کریں گے تھوڑا سا دشمن کا خوف دے کر کہ اگر دین پر چلو گے تو دشمن تمہیں ختم کر دیں گے۔ حلال کھاؤ گے تو کچھ تنگی آئے گی' حلال کھانے میں آمدنی کم ہو جائے گی۔ دین کے راستے پر چلو گے تو مشکلات اور مصائب کا سامنا ہو گا اور آزمائش کی ان گھڑیوں میں جو ثابت قدم رہیں گے اور صبر کریں گے ان کے لیے خوشخبری ہے کہ اللہ پاک نے اس کے بدلے بہت کچھ تیار کر رکھا ہے۔

دل گردے کی بات: فتنوں کا ایک وسیع باب ہے جس کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بے شمار ارشادات فرمائے ہیں۔ وہ اس لیے کہ عموماً جب آدمی آزمائش میں پڑتا ہے تو اس میں کامیابی کے لیے اسے بہت بڑا حوصلہ درکار ہوتا ہے اور بڑے حوصلے والا ہی ان فتنوں کے اندر کامیاب ہوتا ہے' ورنہ بڑے بڑے لوگ ناکام ہو جایا کرتے ہیں' شکست کھا جایا کرتے ہیں۔ اگر اللہ کچھ دے رہا ہو تو سب ہی کہتے ہیں الحمد للہ اور جب اللہ تعالیٰ کچھ لے رہا ہو تو اس وقت حالت تبدیل ہو جایا کرتی ہے۔ ایسی حالت میں الحمد للہ کہنا بڑے دل گردے کی بات ہے۔

الحمد للہ ! عہدِ نبوت میں ایک صحابی کے ہاں چوری ہو گئی' ایک اور صحابیٔ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اظہارِ افسوس کے لیے گئے۔ وہاں جا کر انھوں نے کہا :

"بھائی ! آپ کے ہاں چوری ہو گئی ہے۔"

صاحبِ خانہ نے کہا : "الحمد للہ !"

افسوس کا اظہار کرنے والے صاحب کو تعجب سا ہوا تو وہ صاحب کہنے لگے : "میں الحمد للہ اس لیے کہہ رہا ہوں کہ مال کی چوری ہوئی' مگر ایمان سلامت ہے۔ صحت محفوظ ہے۔ اس سے زیادہ مال بھی جا سکتا تھا' اس سے بھی بڑی آزمائش آ سکتی تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے اس سے محفوظ رکھا۔"

بصیرت چاہیے ! بڑی بصیرت کی ضرورت ہوتی ہے کہ آزمائش کے اندر بھی مولیٰ کا در نہ چھوٹے۔ ہم تو بڑے بے صبرے ہیں' ذرا سی پریشانی آ جائے تو ایسے لگتا ہے کہ ساری دنیا کی آزمائشیں سمٹ کر ہمارے اوپر ہی آ گئی ہیں' حالاں کہ عین اس آزمائش کے اندر ہوتے ہوئے بھی ہم پہ اللہ تعالیٰ کی ہزاروں' لاکھوں نعمتوں کی برکھا برس رہی ہوتی ہے۔

سوچ کا ایک اور رخ : حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے سر میں شدید درد تھا۔ کسی نے کہا:

"حضرت آپ کو تکلیف ہے۔"

آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا : اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی کُلِّ حَالٍ

اللہ کا ہر حال میں شکر ہے کہ کھانے کا راستہ تو سلامت ہے' قضائے حاجت کا راستہ بھی سلامت ہے' دماغ بھی الحمد للہ سلامت ہے' صرف ذرا سا سر میں درد ہے۔ سوچ کا ایک انداز یہ بھی ہے کہ ہر حال میں اللہ کا شکریہ ادا کیا جائے۔ چوں کہ آزمائش کے اندر رہ کر مولیٰ کو راضی کرنا اور مولیٰ کا بن کر رہنا دل گردے کی بات ہے' اس میں بڑے بڑے پھسل جایا کرتے ہیں' ہمت ہار جایا کرتے ہیں' حوصلہ چھوڑ دیا کرتے ہیں' اس لیے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس موضوع پر تفصیل سے احکام بیان فرمائے ہیں' مکمل تفصیل سے ارشادات فرمائے ہیں اور امت کو راہنمائی فراہم کی ہے تاکہ امت فتنوں اور آزمائشوں کے مواقع پر حوصلہ نہ ہار بیٹھے' اور اس کے قدم ڈگمگا نہ جائیں۔

اونچا مقام : بسا اوقات اللہ تعالیٰ کسی آزمائش اور امتحان کے ذریعے آدمی کو بہت اونچا مقام عطا کرنا چاہتے ہیں۔ ایسے موقع پر جب یہ بندہ ناشکری کرتا ہے اور رب کے فیصلے پر راضی نہیں ہوتا تو آزمائش پھر بھی آ کر رہتی ہے' وہ تو اپنے وقت پر جاتی ہے لیکن اس کی ناشکری کی وجہ سے یہ ہوتا ہے کہ بیماری تو باقی رہتی ہے اور یہ شخص اس پر ملنے والے اجر و ثواب سے محروم ہو جاتا ہے۔ اولاد میں کوئی آزمائش آ گئی تو وہ اپنے مقررہ وقت تک رہتی ہے' لیکن یہ شکوے شکایت کر کے اپنا دامن خالی کر بیٹھتا ہے۔ اس کے مال میں' کاروبار میں جو تکلیف آنی ہے وہ آ کر رہے گی لیکن یہ بندہ آزمائش سے گھبرا کر مولیٰ کا در چھوڑتا دیتا ہے' مولیٰ کا دامن چھوڑ دیتا ہے' اللہ کی دوستی کو چھوڑ دیتا ہے' اس کا نقصان یہ ہوتا ہے کہ وہ مصیبت تو اپنے وقت تک رہتی ہے لیکن اس پر اسے کوئی اجر و ثواب نہیں ملتا۔ اور اگر یہی بندہ آزمائش آنے پر مولیٰ کو راضی کر لے تو اسے دوہرا فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ ایک تو آزمائش ہلکی ہو جاتی ہے اور دوسرے اللہ تعالیٰ بندے کو اس پر بہت سے انعامات عطا کر دیتے ہیں۔

شکر مزاج میں رچ بس جائے : حضرت مفتی محمد شفیع فرماتے ہیں : "ایک مرتبہ اپنے استاذ حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا' حضرت کو شدید بخار تھا' بخار کی شدت کی وجہ سے آپ پر غشی طاری ہو رہی تھی' تھوڑی دیر ہوش آتا' پھر غشی چھا جاتی' اس دوران ذرا ہوش آیا' طبیعت کچھ بہتر ہوئی' میں نے پوچھا : "حضرت کیا حال ہے ؟"

فرمایا : "الحمد للہ ! الحمد للہ' بالکل ٹھیک ہوں' گردے بھی ٹھیک ہیں' سینے میں بھی درد نہیں ہے' کوئی اور تکلیف بھی نہیں ہے' صرف ہلکا سا بخار ہے۔" اللہ اکبر ! جب شکر مزاج میں رچ بس جائے تو ایسا بخار جو بے ہوش بل کہ مدہوش کر رہا ہے' اس پہ بھی الحمد للہ کہہ رہے ہیں اور یہ کہہ رہے کہ بالکل ٹھیک ہوں' کچھ بھی تو مسئلہ نہیں۔

اجتماعی ناشکری کے نتائج: ہم آج جن حالات سے گزر رہے ہیں' سچ ہے یہ بھی اجتماعی ناشکری کے نتائج ہیں' اللہ تعالی نے سورہ نحل میں ایک بستی کا حال بیان فرمایا' جو بہت خوش حال تھی' امن تھا' اطمینان تھا' رزق کی فراوانی تھی' انھوں نے اللہ رب العزت کی نعمتوں کی نافرمانی کی' نتیجہ یہ ہوا کہ ان پہ دو سزائیں مسلط کی گئیں' ایک یہ کہ ساری دنیا کے سامنے بھکاری بنا دیے گئے اور دوسری یہ کہ ان کا دل خوف سے بھر دیا۔ غور کریں کیا یہی دو کیفیتیں ہماری نہیں ؟ ہم اجتماعی طور پہ بھکاری بنے ہوئے ہیں' بل کہ بھکاری بھی ان کے سامنے بنے ہوئے ہیں جو ہماری بیٹیوں کی عزتیں لوٹ رہے ہیں' ہمارے بچوں کو ذبح کر رہے ہیں' ہماری بستیوں کو بموں سے تباہ کر رہے ہیں' ہمارا ملک اجاڑ رہے ہیں' اس سے بڑھ کر اور ذلت کیا ہو گی۔ اور خوف کا بھی شکار ہیں کہیں اطمینان نظر نہیں آتا۔

ترجیحات کا تعین: اصل میں ہماری ترجیحات تعین درست نہیں رہا' اسلام ترجیح نہیں رہا' برداری' نسل' علاقہ' زبان یہ ہماری ترجیحات ہیں اسلام پس منظر میں چلا گیا ہے' اسلام جیسی عظیم نعمت کی ناقدری اور ناشکری کی سزا میں بھکاری بن گئے' خوف کا شکار ہو کر رہ گئے' جن چیزوں میں اطمینان' سکون اور عزت تلاش کر رہے ہیں' ان میں ہرگز یہ چیزیں نہیں ملیں گی۔

بچاؤ کا طریقہ: اس بھک پنے اور خوف سے بچاؤ کا طریقہ وہی ہے جو اللہ جل شانہ نے بتایا ہے : "تم شکر کی زندگی اختیار کرو' میں تمہیں اس عذاب سے نجات دے دوں گا" یعنی تم زندگی شکر والی بنا لو اللہ جل شانہ راضی ہو جائیں گے۔ اللہ تعالی ہم سب کو شکر کی نعمت کی توفیق عطا فرما دے۔ آمین !

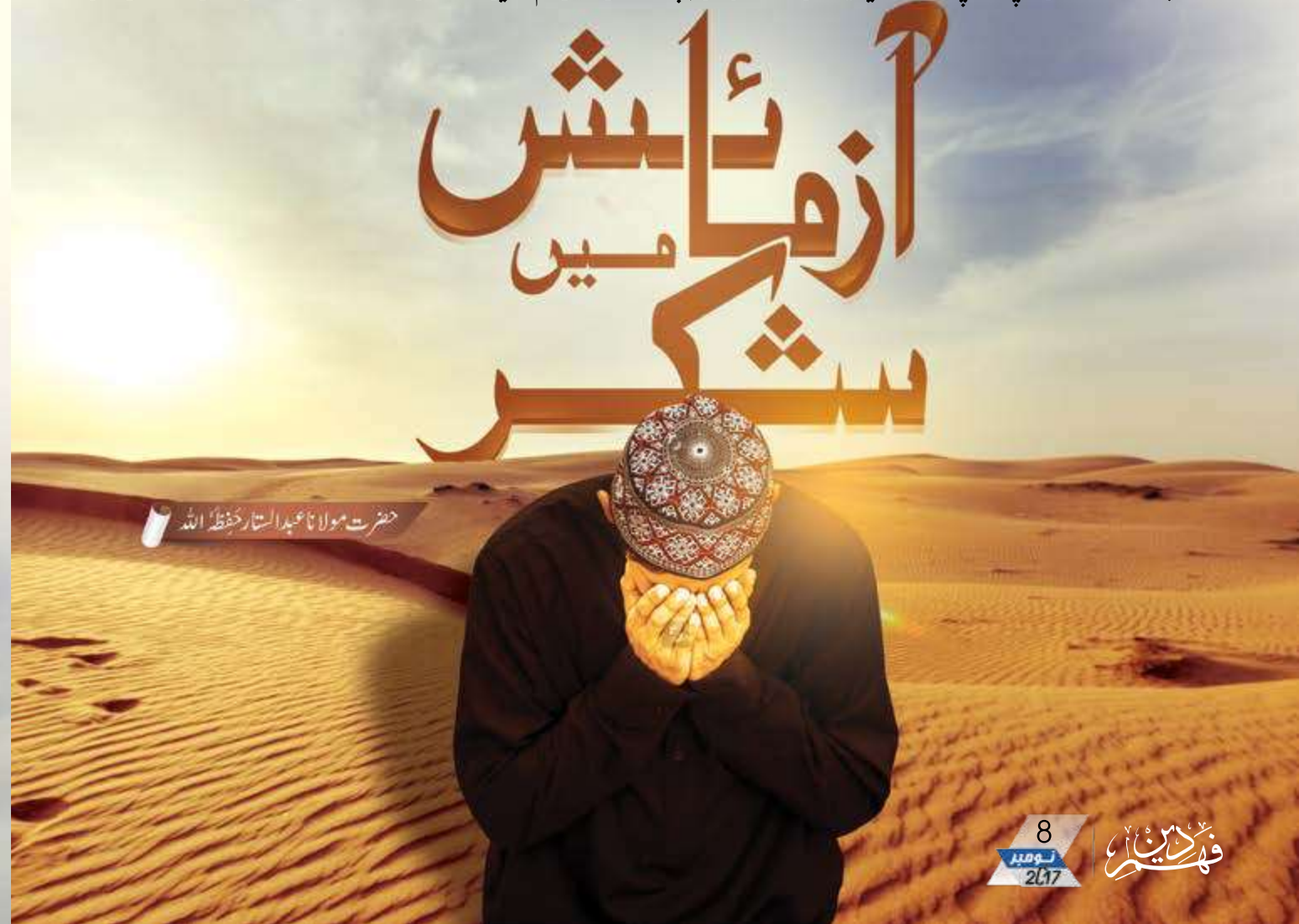

فرد کی اصلاح اور اتحادِ امت

محمد کاشف تبسم

اسلام اجتماعیت کا دین ہے، اتحادِ امت کے بغیر ترقی اور خوش حالی کا تصور خام خیالی ہے۔ انفرادی اور اجتماعی عروج و بلندی اس کے بغیر ایک خواب ہے۔ قرآن و سنت کی اتحادِ امت پر پُرسوز تاکید کے علاوہ، تاریخ کا تجربہ بھی انتہائی اہمیت رکھتا ہے، اگر ماضی میں امتِ مسلمہ کو عروج ملا تو اس کے پیچھے اتحادِ امت کی زبردست قوت بھی تھی "مفتی محمد شفیعؒ" رقم طراز ہیں :

"مدینہ میں قائم ہونے والی نئی اسلامی ریاست کے قیام و بقا اور دشمنوں پر غالب آنے کا حقیقی اور معنوی سبب تو اللہ کی نصرت و امداد تھی اور ظاہری سبب مسلمانوں کی آپس میں مکمل الفت و محبت اور اتفاق و اتحاد تھا۔"

(تفسیر معارف القرآن، ج ۳، ص ۳۶۳)

اسلامی تاریخ آج بھی ہمیں امتِ مسلمہ کے اتحاد کی اہمیت بتاتی ہے، جب سے ہم نے باہمی اتحاد کو بھلا دیا ہے تو ہم بکھر بکھر کر زوال پذیر ہوتے چلے گئے ہیں۔ مولانا شہاب ندویؒ لکھتے ہیں :

"قرونِ وُسطیٰ میں مسلم حکومتوں کا زوال بھی دراصل اسی بنا پر عمل میں آیا کہ اس دور کے حکمرانوں نے باہمی اتحاد و اتفاق کے جذبے کے تحت ملّتِ اسلامیہ کو مضبوط بنانے اور اقوامِ عالم کے مقابلے میں خود کو ایک سیسہ پلائی دیوار ثابت کرنے کے بجائے، چند دنیاوی اغراض و مقاصد اور بعض قومی و لسانی اور جغرافیائی تعصّبات کی بنا پر اتحادِ ملت کو پارہ پارہ کر دیا۔ اس انتشار اور طوائف الملوکی میں علم اور سائنس کی فطری ترقی رک گئی اور علمی جذبات و ولولے سرد پڑ گئے۔"

(اسلام کی نشاۃِ ثانیہ از مولانا شہاب الدین ندویؒ، ص ۲۲۴)

امتِ مسلمہ کا اتحاد نہ صرف مسلمانوں، بل کہ پوری انسانیت کے چین و سکون اور امنِ عالم کے لیے انتہائی ناگزیر ہے۔ آج پورے عالم میں سسکتی تڑپتی امتِ مسلمہ کے درد کی دوا اور زخموں کا مرہم اتحاد و اتفاق ہی ہے اور یہ اک تلخ حقیقت کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے "رحمآء بینھم" کا تمغۂ اعزاز پانے والی امت، باہمی تفریق اور گروہ بندی کی دلدل میں پھنس کر رہ گئی ہے۔ آئے دن نئی جماعتیں، فرقے اور گروہ پیدا ہوتے ہیں اور آپس میں اس قدر فاصلے بڑھتے چلے جا رہے ہیں، جنھیں دور کرنا بہت مشکل نظر آتا ہے۔ اسلامی تعلیمات میں واضح طور پر "اتحاد" کی اہمیت بتلائی اور اندازِ بیاں اور اسلوب بدل بدل کر اتحاد کا راستہ چھوڑنے کے دنیاوی اور اخروی نقصانات سے آگاہ کیا گیا، مگر اغیار کی سازش کا جادو کہیے یا پھر امتِ مسلمہ کی اپنی دین سے دوری کا نتیجہ، بہر حال ہماری اجتماعیت پارہ پارہ ہو چکی ہے اور زمانہ جاہلیت کی طرح ہم لسانی، قومی اور نسلی دھڑے بندی میں بٹتے چلے جا رہے ہیں۔

ہمیں چاہیے کہ اپنے ماضی سے سبق حاصل کریں اور باہمی اتحاد کی عملی صورت پیدا کریں اور اس کے لیے انتہائی ضروری ہے کہ ہمیں انفرادی اصلاح پر بھرپور توجہ دینا ہوگی، مفکرِ اسلام سیّد ابوالحسن علی ندویؒ فرماتے ہیں :

"اس زمانے کی خطرناک غلطی یہ ہے کہ افراد کی اہمیت اور ان کی سیرت و صلاحیت کو بالکل نظر انداز کیا جا رہا ہے۔ عمارت بنائی جا رہی ہے، مگر جن اینٹوں سے وہ بنے گی ان کو کوئی نہیں دیکھتا۔"

(تعمیرِ انسانیت از سید ابوالحسن علی ندویؒ، ص ۹۶)

آپؒ کا یہ دعویٰ ہے کہ اجتماعیت اور اتحاد و اتفاق، فرد کی اصلاح کے بغیر ناممکن ہے، چناں چہ آپ رحمۃ اللہ علیہ "تاریخ کا تجربہ" کے عنوان سے رقم طراز ہیں :

"ہزاروں برس کا تجربہ بتاتا ہے کہ انسان سازی کے لیے اس (ایمان و یقین) سے بڑی طاقت نہیں۔ آج دنیا کی سب سے بڑی بد قسمتی یہ ہے کہ جماعتیں موجود ہیں، قومیں موجود ہیں، تنظیمیں اور ادارے موجود ہیں، لیکن صالح افراد نایاب ہیں اور دنیا کے بازار میں سب سے زیادہ اسی جنس کی کمی ہے اور خطرناک بات یہ ہے کہ ان کی تیاری کی بھی فکر نہیں ہے اور سچ پوچھیے تو اگر تیاری کی کوشش بھی کی جاتی ہے تو اس کے لیے صحیح راستہ اختیار نہیں کیا جاتا، اس کا راستہ ایک ہی ہے اور وہ یہ کہ یہ (ایمان) یقین پھر پیدا کیا جائے اور سب سے پہلے انسان کو انسان بنایا جائے۔"

(حوالہ بالا، ص ۱۰۰)

یقیناً امتِ مسلمہ کو باہمی اتحاد کا راستہ اپنانے کے لیے سب سے پہلی اور بنیادی چیز وہ فرد کی اصلاح پر توجہ ہے، اس کے لیے سب سے پہلے اتحادِ امت کے شعور کو اجاگر کیا جائے۔ قرآن و سنت سے اس کی اہمیت کو آشکارا کرنے اور تاریخی تناظر میں اس کی ضرورت پر روشنی ڈالنے کی کوشش بہت ہی اہم عمل اور وقت کا تقاضا ہے، تا کہ امتِ مسلمہ کا ہر ہر فرد اتحاد کی اہمیت کو اچھی طرح جان لے اور اپنے تمام تر اختلافات کو بھلا کر اخوت اور ایثار و ہمدردی کی مثال بن کر ہم اپنا کھویا ہوا وقار دوبارہ حاصل کر سکیں۔

؎ اِک عمل ہو، ایک جاں ہو، ایک دل ہو، اک دہن

آج دنیا بھری پڑی ہے محبت کے دعووں‘ محبت کی رسموں‘ محبت کے وعدوں‘ محبت کے فتنوں اور محبت کی باتوں سے‘
مگر کبھی کبھی دل میں خیال آتا ہے کہ کیا محبت کا کوئی وجود بھی ہوتا ہے یا نہیں؟ کیا یہ واقعی کہیں پائی بھی جاتی ہے؟
کیا کبھی ایسا ہوتا ہے کہ آدمی محبوب کے لیے محبت تیاگ دے؟ چھوڑ دے اپنی مرضی اور مان لے جو محبوب چاہتا ہے۔ چل پڑے اس راہ پر جہاں محبوب موجود ہے۔

محبت کی تعریف کیا ہو؟ رقیب کون ہو؟ مثال کیا ہو؟

مجھے نہیں لگتا کہ اب محبت کی کوئی خالص قسم دنیا میں باقی بچی ہے۔ انسانوں میں تو کم از کم نہیں اور
محبت کی تعریف تو شاید ممکن بھی نہیں‘ اس لیے کہ محبت خود انسان کا تعارف کرواتی ہے‘ نہ کہ انسان محبت کا۔
آپ یقیناً میری باتوں سے اختلاف کر رہے ہوں گے اور پتا نہیں کون کون سی مثالیں آپ کے ذہن میں گردش کر رہی ہوں گی‘
مگر کیا ہم ان مثالوں کو محبت کی کسوٹی پر پرکھ پائیں گے؟
محبت چھوڑ دیتی ہے‘ محبت روند دیتی ہے‘ محبت جلا ڈالتی ہے‘ محبت مار دیتی ہے اور اسے کوئی فکر نہیں ہوتی کہ کیا ہوا۔ محبت جلا بخشتی ہے۔
نم آنکھوں سے آغاز لینے والی محبت کی معراج بندگی ہے۔ ایک چُپ ہے جو تکتی رہتی ہے کہ کب دروازہ کھلے کب دیدار ہو‘
کب وہ پوچھیں کب وہ نام لیں کب وہ خوش ہو جائیں کب وہ مَن جائیں اور کب وہ کہہ دیں کہ جا راضی ہوا۔
محبت کی ضد نفرت تھوڑا ہی ہے۔ نفرت تو ایک حیوانی جذبہ ہے۔ یہ حسد کی ماں ہے۔ انسانوں میں بھلا اِس کا کیا کام؟
محبت کی ضد تو آزادی ہے۔ محبت میں آدمی قیدی ہی تو ہوتا ہے۔
جو محبوب چاہے‘ جب چاہے‘ جیسے چاہے‘ جہاں چاہے وہاں حاضری دینی ہی پڑتی ہے۔ نہ اپنی مرضی چلے نہ خواہش‘ بل کہ اِن کا الٹ ہی کرنا پڑتا ہے۔
محبّت میں آنکھیں ترجمہ کرتی ہیں‘ معنی دل پہناتا ہے اور ذہن و گمان کی کسک کو وجود بخشتا ہے۔

محبت میں سب سے بڑا رقیب نفس ہے۔ یہ نہیں ملنے دیتا محبوب سے
اور انسان نادانی میں اِس سے ہی محبت کر بیٹھتا ہے‘ پھر جو چاہے آ جائے‘ جیت نفس کی ہی ہوتی ہے۔

”ماں باپ محبت کرتے ہیں اپنی اولادوں سے۔“

جی ٹھیک کہا آپ نے‘ کبھی کرتے ہوں گے یا شاید وقتی طور پر۔
ماں باپ آپ کے پیدا ہونے پر خوشیاں مناتے ہیں۔ آپ کو کھلاتے پلاتے ہیں۔ آپ کا نام رکھتے ہیں‘ اچھے برے میں خیال رکھتے ہیں‘
مگر جب آپ بڑے ہو جاتے ہیں تو انھیں اپنے ہر اچھے کرم کا حساب چاہیے ہوتا ہے۔
ایک گھر میں ایک ہی والدین کی چار اولادیں‘ جو پیسہ کمائے‘ وہ بھی پیارا اور اس کے بیوی بچے بھی پیارے اور
جو کسی قابل نہ ہو پائے‘ بعض اوقات اس کی عزت گھر کے نوکر سے بھی گئی۔ غصّہ آئے تو عاق کر دیں‘ گھر سے نکال دیں۔
بھلا یہ کیسی محبت کہ دنیا بنانے کا سامان کر دیا‘ مگر اِسی اولاد کی آخرت کی کوئی فکر نہیں؟ کیا فرق رہ گیا بچے پالنے میں اور فیکٹری لگانے میں؟
جو کام بدلے کی نیت سے کیا جائے‘ بھلا وہ بھی محبت میں شمار ہو سکتا ہے؟

”حکمرانوں کو اپنی عوام سے محبت ہے۔“

جی خوب کہا! جس ملک میں غریب کے بچے کچرے کے ڈھیر پر رزق کے لیے کتوں سے لڑیں‘ وہاں پوری صداقت سے آپ کی بات کا یقین ہو ہی جاتا ہے۔
جس ملک میں گناہ و ثواب‘ نیکی و بدی‘ سزا و جزا کا گمان تک مر گیا ہو‘ وہاں ایسے جملے بولنا تہذیب کی عصمت دری کے برابر ہیں۔

اجی چھوڑیے یہ باتیں‘ بیوی آخر شوہر سے محبت کرتی ہی ہے‘ اسی لیے تو اپنا میکہ چھوڑ کے چلی آتی ہے۔

جی بھائی‘ صحیح کہا آپ نے۔ سالوں کی رفاقتوں کے بعد ایک جملہ غلط نکل جائے‘ ایک دن برا گزر جائے‘ آمدنی کم ہو جائے‘ بیماری آ جائے‘ توجہ کہیں اور لگ جائے۔ یہی
بیوی کہتی ہے کہ میں نے آج تک سُکھ کی کوئی گھڑی نہیں دیکھی۔ بچے اٹھائے اور یہ جا وہ جا۔ اب شوہر بے چارہ مناتا پھرے۔
یہی حال خاوند حضرات کا ہے۔ حسن زائل ہو جائے‘ بیماری آ جائے یا بات میں سختی ہو جائے تو وہ اِسے چھوڑ اوروں کی تمنا کریں۔ پا سکیں یا نہیں‘ تمنائیں تو روز مچلتی ہیں۔
تُف ہے ایسی محبت پر۔ محبوب کے سامنے کسی اور کا خیال بھی آ جائے تو یہ محبت میں شرک ہے اور
یہاں ایسے بھی کہ گھنٹوں محبوب کے سامنے کھڑے اور بیٹھے دلوں میں کسی اور کے خیال سجائے بیٹھے ہیں اور پھر دعوی محبت کا۔ واہ بھئی واہ! کیا معصومیت ہے!

چلیں یہ تو مانیں گے کہ لڑکے کو لڑکی سے محبت ہو سکتی ہے یا یہ بھی نہیں۔

یہ بھی اچھی کہی۔ رات رات بھر کے نائٹ پیکجز‘ گھنٹوں باتیں‘ ساتھ جینے مرنے کی قسمیں‘ زندگی نبھانے کے وعدے‘ مگر شادی ہو جائے تو؟
اب یہی نائٹ پیکجز‘ وعدے اور قسمیں کہیں اور؟ کیا آپ کو یقین ہے کہ یہ محبت ہی تھی یا کوئی جسمانی طلب؟ آج کل کی محبتوں کا نشہ تو چھ ماہ میں ہی اُتر جاتا ہے۔

چلیں! اللہ کے لیے تو بندہ محبت کرتا ہی ہے۔

جی صحیح کہا آپ نے۔ لوگ پتا نہیں بندوں سے اللہ کے لیے محبت کا دعوی کیسے کر لیتے ہیں۔ بل کہ بندوں سے اللہ کے لئے ناراض بھی ہو جاتے ہیں‘ قطع تعلق بھی کر
لیتے ہیں۔ اگر اللہ نے کہہ دیا کہ جس سے تم تمام عمر میرے نام پر ناراض رہے‘ اسے تو میں نے بخش دیا تھا تو پھر؟
مجھے لگتا ہے کہ محبت صرف یک طرفہ ہوتی ہے۔ دو طرفہ تو بزنس ہوتا ہے۔

اور جو بندہ اللہ سے محبت کرتا ہے‘ اس کا کیا؟

جی‘ وہ تو اچھی بات ہے‘ کرنی بھی چاہیے۔ اللہ جلّ جلالہ کا حق بنتا ہے‘ مگر
سیانے کہتے ہیں کہ محبت وہ خوشبو ہے‘ جو چھپائے نہیں چھپتی۔ یہ آنکھوں‘ چہروں اور رویوں میں نظر آنے لگتی ہے۔
دلوں پہ راج کرتی ہے‘ ذہنوں میں گونجتی ہے اور شخصیت کو نکھار دیتی ہے تو پھر
وہ محبت جو ہم اللہ سے کرنے کا دعوی کرتے ہیں‘ یہ آنکھوں میں کیوں نہیں چمکتی؟ نہ چہروں پر دمکتی ہے‘ نہ سانسوں میں دہکتی ہے‘ نہ دلوں پر راج کرتی ہے‘
نہ خوشبو پھیلاتی ہے‘ نہ شخصیت میں بہار لاتی ہے‘ نہ راتوں کو رُلاتی ہے‘ نہ لہجوں میں سلگتی ہے‘ نہ طبیعت میں مچلتی ہے‘ نہ نیندوں سے اٹھاتی ہے‘ نہ سوتوں کو جگاتی ہے‘
نہ ہی اعمال بدلتی ہے‘ نہ ہی سر چڑھ کے بولتی ہے‘ نہ ہی کہیں رکھ چھوڑتی ہے‘ نہ ہی ہجرت کراتی ہے‘ نہ ہی آس دلاتی ہے‘ نہ ہی رب سے ملاتی ہے۔

ایسی خالی خولی بے اثر محبت کو بھلا کون محبت مانے؟

مجھے تو نظر نہیں آ سکی آپ کی یہ محبت‘ اگر آپ کے پاس کوئی اور مثال یا ثبوت ہو تو پیش کریں۔
جہاں تک رہی اپنی بات‘ میں تو محبت کا ڈھونگ رچائے ہوئے ہوں اس کی بارگاہ میں‘ جو تمنّا دیکھ کے مراد بر لاتا ہے۔ کیا پتا کب اِس بہروپیے کو اصل کر دے۔

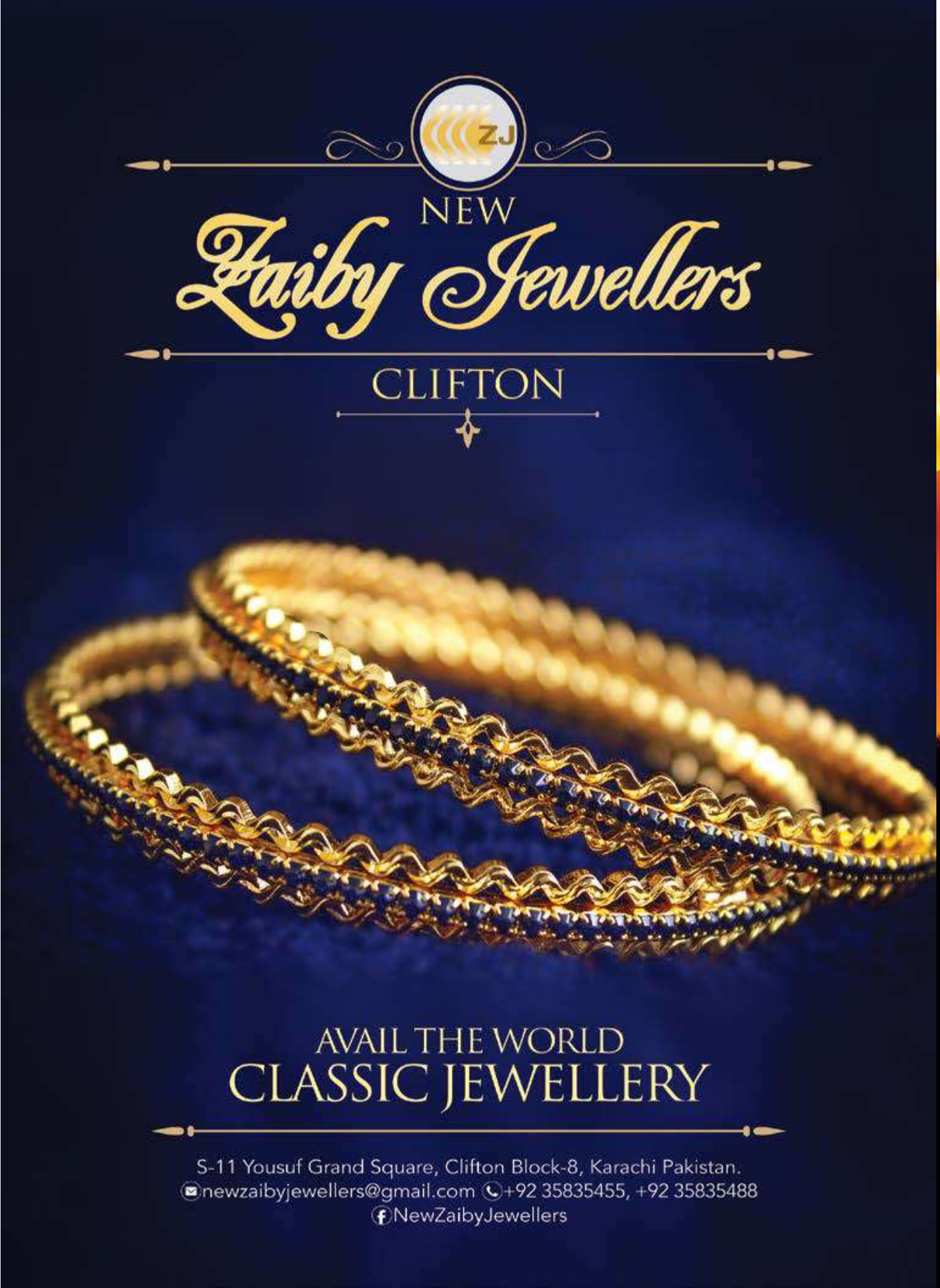

ZJ
NEW
Zaiby Jewellers
CLIFTON

AVAIL THE WORLD
CLASSIC JEWELLERY
S-11 Yousuf Grand Square, Clifton Block-8, Karachi Pakistan.
newzaibyjewellers@gmail.com +92 35835455, +92 35835488
NewZaibyJewellers

ٹیپو سلطان رحمۃ اللہ علیہ

اُمِ مصطفیٰ

10 نومبر 1750 کو حیدر علی کے گھر ایک لڑکا پیدا ہوا، جس کا نام ''ٹیپو'' رکھا گیا۔ یہ پیدائشی نام تھا، جب کہ مشہور نام ''فتح علی خان'' تھا، چوں کہ دادا کا نام ''فتح محمد'' تھا، جب کہ باپ کا نام ''حیدر علی''، تو فتح اور علی کا مرکب بنا کر ان کا نام رکھا گیا۔ ٹیپو نے اپنے بیٹے کا نام ''فتح حیدر'' رکھا تھا، جس کی بناء پر ان کی کنیت ''ابوالفتح'' بنی۔ ان کا تعلق بلوچستان کے ضلع خضدار کے قبیلے زرکزئی سے تھا۔

سلطان حیدر علی عرف ٹیپو سلطان کو قدرت نے جنوبی ہندوستان میں ایک وسیع وعریض سلطنت سے نوازا تھا، جس میں بنگلور بھی شامل تھا۔ ٹیپو سچے مسلمان اور عظیم سپاہی تھے۔ آپ کا مشہور مقولہ ''شیر کی ایک دن کی زندگی گیدڑ کی سو سالہ زندگی سے بہتر ہے۔'' آج بھی بہادر اور نڈر لوگوں کی زندگی کو مشعل راہ فراہم کرتا ہے۔ صوم صلوٰۃ کے پابند ٹیپو محبتِ الٰہی سے سرشار تھے۔ آپ نے ''سلطنتِ میسور'' کو اپنے سترہ سالہ سلطانی دور میں امن وامان کا گہوارہ اور سُکھ وچین کا مرکز بنا دیا۔

ٹیپو عالموں، بزرگوں اور درویشوں کی خوب قدر کرتے تھے اور اکثر وبیشتر ان سے ملاقات کے لیے جاتے اور دعاؤں کی درخواست پیش کرتے۔

آپ ایک عظیم لیڈر ہونے کے ساتھ ساتھ ایک دوراندیش جرنیل اور سپاہی بھی تھے۔ آپ نے اپنی برّی فوج کو جدید خطوط پر منظّم کیا۔ فوج کے لیے ''فتح المجاہدین'' کے نام سے ایک کتاب لکھوائی، جس میں فوجی اصول وقواعد کے ساتھ ساتھ جنگی تجربات پر مبنی عسکری قواعد بھی شامل تھے۔ بحریہ کی اہمیت کو بھانپتے ہوئے سلطان بحری فوک کا قیام عمل میں لائے تاکہ وہ سلطنت کے مغربی ساحل کی حفاظت کر سکے۔ سلطان نے بحریہ کو جو اہمیت دی اس کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ وہ بحری جہازوں کے نقشے بعض اوقات خود تیار کرتے تھے۔ سمندر میں مقناطیسی چٹانوں سے بچاؤ کے لیے لوہے کے

بجائے تانبے کا استعمال ٹیپو کا ہی مشورہ تھا۔ آپ نے اسلحہ کے بڑے بڑے کارخانے بنوائے، جہاں معیاری توپیں، بندوقیں اور ایسی ڈھالیں بنائی جاتیں، جن پر گولی اثر نہیں کرتی تھی۔ پھر وقتِ بے رحم نے سلطان کے ساتھ ایک چال چلی۔ ہوا کچھ یوں کہ جب نپولین کو شکستِ فاش ہوئی، اس نے برصغیر میں پاک وہند پر اپنی نظریں گاڑیں، مگر یہاں اسے سب سے زیادہ خطرہ ''مردِ آہنگ ٹیپو'' سے تھا۔ سلطان ٹیپو نے اپنی فوج اور عوام کو وہ اعتماد اور مضبوطی دی تھی، کہ اس کو شکست دینا انگریز کو ناممکن نظر آتا تھا۔ مگر تاریخ غداروں سے بھری پڑی ہے۔ بہت سے توتا چشمِ فطرت کے لوگ کہ جس تھالی میں کھاتے ہیں اسی میں چھید کرتے ہیں کہ مترادف تھے، جن میں میر صادق، قمرالدین اور پورنیا جیسے لالچی صفت وزراء اپنے صادق سلطان کا ساتھ عین عین وقت پر چھوڑ کر انگریز کے لادے لپوں میں آگر ایک سچے اور محبِ وطن کو دغا دے دیا۔

پھر ٹیپو سلطان سرنگاپٹم میں اپنی تلوار کے جوہر دکھاتے ہوئے شہید ہوگئے۔ 4 مئی 1799 کو میسور کا یہ روشن آفتاب حق اور سچ کے لیے اپنے آپ کو قربان کر گیا۔ غلامی کی زندگی پر شہادت کی موت کو ترجیح دے کر تاریخ میں اپنا نام رقم کر گیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ!!!

قابلِ اقتدا ہستیاں

محمد حذیفہ رفیق

ابو عبداللہ حارث محاسبی رحمۃ اللہ علیہ

تیسری صدی ہجری میں ایک بزرگ گزرے ہیں، جن کا نام ابو عبداللہ حارث مُحاسبی تھا۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے کے بزرگوں میں سے ہیں، اپنے زمانے میں زُہد اور تقویٰ کے امام تھے، ساری زندگی اصلاحی فکر اور وعظ و نصیحت اور ارشاد و دعوت میں گزاری۔ ایک دفعہ عشاء کے بعد ان کی مجلس لگی ہوئی تھی، بالائی منزل پر امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ بھی تشریف فرما تھے، امام احمد رحمۃ اللہ علیہ ان کی باتیں سُن کر اتنا روئے کہ غشی طاری ہوگئی۔

ذیل میں ان ہی کے چند قصّے درج کئے جارہے ہیں، کہ بزرگوں کا تذکرہ اور ان کے احوال کا مذاکرہ ایمان میں تازگی کا سبب ہوتا ہے اور ہمارے دلوں میں بھی اس بات کا احساس پیدا ہوتا ہے کہ اپنا محاسبہ کریں اور ان حضرات کی زندگی کو سامنے رکھ کر اپنے شب و روز کو پرکھے۔ محاسبہ کے حوالہ سے ان کے حالات میں ایک لطیف نکتہ یہ بھی ہے کہ اِن کو مُحاسبی اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ یہ اپنا محاسبہ بہت کثرت سے کیا کرتے تھے۔

"ایک شخص کھجور بیچ رہا تھا، ساتھ ہی کچھ بچّے کھیل رہے تھے، ایک بچّہ تھوڑا دور کھڑا ان کو دیکھ رہا تھا، جس کا نام حارث تھا، وہ کھجور والا اس بچّے کے پاس آیا اور کچھ کھجوریں دے کر کہنے لگا: "بیٹا، یہ کھالو۔"

بچّے نے کہا: "یہ کہاں سے آئی ہیں؟"

"ابھی ایک شخص کھجوریں خرید کر گیا تھا، اس کی تھیلی سے گر گئی تھیں!"

"کیا آپ اس کو جانتے ہیں؟"

"ہاں! بالکل جانتا ہوں۔"

اب حارث ان کو کچھ کہے بغیر آگے بڑھ گیا اور بچّوں سے پوچھنے لگا: "کیا یہ کھجور بیچنے والا شخص مسلمان ہے؟"" بچوں نے کہا: "ہاں ہاں، مسلمان ہے!" یہ پوچھ کر حارث دوسری طرف کو جانے لگا، اس کھجور والے نے دوڑ کر حارث کو پکڑ لیا اور کہنے لگا: "بیٹا! تو جب تک مجھے اپنے دل کی بات نہیں بتائے گا، میں تجھے نہیں چھوڑوں گا۔"

حارث: "چچا جان، اگر آپ مسلمان ہیں تو آپ کو چاہیے کہ یہ کھجوریں جس کی ہیں اس کو تلاش کر کے اس تک پہنچائیں، جس طرح آپ پیاس کی حالت میں پانی تلاش کرتے ہیں، کیا آپ مسلمان ہوتے ہوئے مسلمانوں کے بچوں کو حرام مال کھلاتے ہیں؟"

اس پر وہ آدمی کہنے لگا: "آج کے بعد کبھی ایسی تجارت نہیں کروں گا"۔

ان کے ایک شاگرد جنید کہتے ہیں: ہمارے استاذ ابو عبداللہ ایک دفعہ ہمارے گھر کے قریب سے گزرے، میں نے چہرہ کو دیکھ کر محسوس کر لیا کہ کافی دن کا فاقہ ہے، چنانچہ میں نے ان سے کہا: "اگر آپ مناسب سمجھیں تو ہمارے گھر میں آکر کچھ تناول فرمالیں، یہ ہماری سعادت ہوگی"۔ حضرت نے قبول فرمالیا، میں نے ان کو بٹھایا اور جلدی سے اپنے چچا کے گھر گیا، کہ ان کے گھر میں عمدہ کھانے ہوتے تھے، چنانچہ مختلف انواع و اقسام کے کھانے لے کر حاضر ہوا۔ حضرت نے ابھی ایک ہی لقمہ لیا تھا اور اس کو چبا رہے تھے، کہ حضرت کا رنگ بدلنے لگا، وہ لقمہ ان سے نیچے نہیں اتر رہا تھا، اچانک کھڑے ہوگئے اور تیزی سے باہر نکل کر واپس چل دیے۔ اگلے دن ملاقات ہوئی، میں نے کہا: "کل آپ نے پہلے تو آکر ہمیں خوش کر دیا، پھر اس طرح اچانک نکل کر جو چل دیے، اس سے ہم کافی پریشان بھی ہوگئے کہ نا معلوم کوئی مسئلہ پیش آگیا یا اچانک طبیعت بگڑ گئی ہے؟۔"

حضرت نے جواب دیا: "بیٹا! مجھ پر فاقہ بہت شدید تھا اور تمہارا کھانا میں نے کھانے کی کوشش بھی کی، لیکن ... میرے اور میرے رب کے درمیان ایک نشانی ہے، اگر کسی کھانے میں کوئی شبہ ہوتا ہے، تو اس سے میرا سانس چڑھ جاتا ہے اور میرا ہاضمہ اس کو قبول نہیں کرتا، اور وہ لقمہ بھی تمہارے گھر سے نکل کر میں نے باہر پھینک دیا تھا۔"

اگلے دن پھر جنید نے اپنے استاد حارث محاسبی کو اپنے گھر بلایا اور وہ آئے تو ان کو سوکھی روٹی کے ٹکڑے پیش کئے، وہ ٹکڑے مزے لے لے کر کھا رہے تھے اور فرما رہے تھے: "بھائی، اگر تمہارے گھر کوئی فقیر آئے تو اس کو ایسی ہی چیزیں پیش کیا کرو!" حقیقت میں یہی وہ لوگ تھے جو دنیا میں رہتے ہوئے اپنی جنّت بنا گئے اور دنیا کی لذتوں کے بدلے آخرت کی ہمیشہ ہمیشہ کی ابدی لذتیں لے اُڑے، یہی وہ لوگ تھے، جن کو دنیا دھوکا نہ دے سکی اور جنّت کی نعمتیں جن کے سامنے تھیں۔ ساری زندگی قربانی اور مجاہدے میں گزاری اور موت کا فرشتہ ان کے پاس محبوب کا ایلچی بن کر آیا، چنانچہ جب اِن کی موت کا وقت آیا تو ساتھیوں سے کہنے لگے:

"اگر مجھے اپنی کامیابی نظر آئی تو تم میرے چہرے پر مسکراہٹ دیکھو گے اور اگر مجھے کچھ اور دکھائی دیا تو اس کے آثار بھی تم میرے چہرے پر پڑھ لوگے۔"

حاضرین کہتے ہیں کہ: موت سے پہلے آپ کا چہرہ کِھل گیا تھا اور مسکرا رہے تھے، یہاں تک کہ جان جانِ آفرین کے سپرد کردی۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ

234ھ میں بغداد میں آپ کی وفات ہوئی اور وہیں دفن ہوئے، اللہ تعالیٰ ان کی قبر کو نور سے بھردے۔۔۔ آمین۔

آپ نے تصنیفات کا بھی بڑا ذخیرہ چھوڑا، جن میں سے بیشتر تصانیف اصلاح اور تزکیہ نفس سے متعلق ہیں، آپ کے اقوال میں سے ہے: "جب بھی کوئی بندہ راہِ راست اختیار کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اس کو یقیناً دوسروں کی ہدایت کا بھی ذریعہ بناتے ہیں، اور جب بھی کوئی بندہ گمراہی کا راستہ اختیار کرتا ہے، تو وہ دوسروں کی گمراہی کا سبب بھی بنتا ہے۔"

"بندگی تو یہ ہے کہ تم اپنی کوئی ملکیت ہی نہ سمجھو۔"

طارق محمود

قوم کی جان

ہمارا ملک امن و سلامتی کا گہوارا ہے اور یہ ملک کی سلامتی "اردو زبان" کی بدولت قائم ہے کہ جس میں اسلامی علوم کا بہت بڑا ذخیرہ ہے کیوں کہ بقول شیخ الاسلام: "زبان صرف ایک اتفاقی ذریعہ اظہار نہیں ہے، بل کہ یہ کسی عقیدہ و فکر اور تہذیب و ثقافت کے ساتھ رشتہ جوڑنے کا ایک مؤثر ذریعہ بھی ہے۔ لہٰذا اپنی زبان سے دست برداری کا مطلب اپنے پورے ماضی سے، اپنے عقیدے اور اپنی فکر سے اور اپنے تہذیب و ثقافت سے منہ موڑنا ہے۔" (ذکر و فکر) اردو ہماری قومی زبان ہے۔ اس کی حفاظت اور ترقی کے لیے جدوجہد اور محنت کرنا ہمارا قومی ہی نہیں، بل کہ مذہبی فریضہ بھی ہے، اسی لیے اردو زبان کی حفاظت کے بارے میں حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں کہ "اِس وقت اردو زبان کی حفاظت، دین کی حفاظت ہے۔ اس بنا پر یہ حفاظت حسبِ استطاعت، طاعت اور واجب ہو گی اور باوجود قدرت کے اس میں غفلت اور سستی کرنا معصیت اور آخرت میں پکڑ کا باعث ہو گا۔"

مٹ جائیں گے مگر ہم، مٹنے نہ دیں گے اس کو
ہے جان و دل سے پیاری ہم کو زبان ہماری

اردو ہمارے قومی اتحاد کا بہترین اور آسان سبب ہے اور پاکستان کا ہر ہر شہری اس سے ملک میں یگانگت اور یک رنگی کا ماحول پیدا کر سکتا ہے۔ بقول پروفیسر محسن عثمانی ندوی: "اردو ہماری قومی زبان ہے اور قومیت کا شیرازہ اور گلدستہ اردو زبان کے دھاگے سے بندھا ہوا ہے، اس دھاگے کو نکال دینے کے بعد شیرازہ منتشر ہو جائے گا۔" (اردو کی کہانی، اردو کی زبانی) بقول شاعر

تو جانتا ہے ساری زبانیں تو کیا کروں
اردو میری زبان ہے اردو میں بات کر

یہ ایک لمحہ فکریہ ہے کہ ہم اپنی قومی زبان سے اتنا دور کیوں کر ہوتے جارہے ہیں؟ جب ہم ایک سرسری سی نظر اپنے گھر، محلے، گلی کوچوں میں باہم ہونے والی گفتگو کی طرف کرتے ہیں تو وہ ایک ایسی زبان میں ہوتی ہے کہ جس میں انگریزی زبان کا غلبہ نظر آتا ہے، حالاں کہ دنیا کے کئی ممالک خصوصاً یورپ کے لوگ انگریزی جاننے کے باوجود ہمیشہ اپنی قومی زبان بولتے اور اس سے محبت کرتے ہیں۔ ہمارے ذہنوں پر مرعوبیت کا پردہ ایسا چھا چکا ہے کہ ہم انگریزی بولنے کو ہی ترقی کا ذریعہ سمجھنے لگے ہیں۔

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ جب تک ہم خود اپنے تئیں انگریزی کی غلامی سے آزادی کی کوشش نہیں کریں گے تو یہ تشویش ناک رجحان بڑھتا ہی چلا جائے گا اور ہم ان اقوام کی فہرست میں داخل ہو جائیں گے جن کی اپنی کوئی زبان نہیں ہوتی، جیسا کہ مولوی عبدالحقؒ نے فرمایا تھا کہ

"زبان کسی قوم کی جان ہوتی ہے اور اس کا گلا گھونٹنا گویا قوم کا گلا گھونٹنا ہوتا ہے۔"

Your Friend In Real Estate

جُنید امِین

الحمدللہ پورے اطمینان اور بھروسے کے ساتھ
بحریہ ٹاؤن، ڈی ۔ایچ ۔اے سٹی اور ڈیفنس کراچی میں
محفوظ اور منافع بخش سرمایہ کاری۔
معلومات اور مشورے کے لیے
جُنید امِین

BAHRIA TOWN

نزد مسجد بیت السلام، خیابان جامی، فیز 4، ڈیفنس، کراچی

021-35313254 - 0300-9213373 junaidameen@live.com

جوتری کو عربی میں بسباسہ اور انگریزی میں MACE کہتے ہیں۔ جائفل کے پھل کے اندر کا چھلکا جوتری کہلاتا ہے۔ یہ اوپر کے چھلکے کے نیچے ہوتا ہے اور جائفل کے آس پاس لپٹا ہوتا ہے۔ پھل کے اندر کی گہری نارنجی رنگ کی جالدار شے جوتری کہلاتی ہے۔ اس میں خاص قسم کی خوشبو آتی ہے۔ اس کا مزاج پہلے درجہ میں گرم اور دوسرے درجہ میں خشک ہے۔ جوتری کباب چینی کی طرح زبان پر سوزش پیدا کرتی ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ سوزش پیدا کرنے والی ہے۔

فوائد

- جوتری کا ناک میں سونگھنا مرض صرع یعنی مرگی کو فائدہ دیتا ہے۔
- جگر اور معدہ کو قوت دیتی ہے۔ ان کی رطوبات کو خشک کرتی ہے۔
- جوتری باہ کو قوت دیتی ہے۔
- جوتری کے کھانے سے ضعفِ معدہ نہیں ہوتا۔
- جوتری تلی کے درد کو دور کرتی ہے۔
- جوتری کی قیروطی (مرہم) بنا کر ناف پر لگانے سے آنتوں کے زخم کو نفع پہنچتا ہے۔
- پیٹ کے کیڑے مارتی ہے۔ بلغم کے فساد کو دور کرتی ہے۔ قبض میں فائدے مند ہے۔
- جوتری طاقت بڑھاتی ہے۔
- وید کہتے ہیں کہ ہلکا بخار دور کرنے کے لیے جوتری استعمال کروائی جاتی ہے۔
- جوتری آنتوں کے پرانے مرض میں اس کو 6-4 رتی تک استعمال کرانا چاہیے۔
- جوتری کو سر پر لیپ کرنے سے بھی درد سر صرع اور شقیقہ کو فائدہ پہنچتا ہے۔
- زچہ کی کمر پر جوتری میں شہد ملا کر لیپ کرنا درد کمر اور نفاس کو فائدہ پہنچاتا ہے۔
- جوتری رحم کو بھی قوت دیتی ہے اور اس کی رطوبت کو خشک کرتی ہے۔
- جوتری آنتوں کے زخم اور سوجن کو نافع ہے۔
- جوتری پرانے درد بند کرتی ہے۔
- جوتری مثانہ کی پتھری توڑنے میں بھی مددگار ثابت ہوتی ہے۔
- پیٹ کے بادی کے درد اور ضعف ہاضمہ میں مفید ہے۔
- جوتری کو سینک کر کھلانے سے ہیضے کے درد بند ہو جاتے ہیں۔
- سل کے عارضہ میں جوتری کا استعمال نہایت مفید ہے۔
- بلغم کی تری سے جو دمہ ہوتا ہے اس میں جوتری کو پان میں رکھ کر کھلانا چاہیے۔
- جوتری کو کچھ عرصہ استعمال میں رکھنے سے پیشاب کی زیادتی ختم ہو جاتی ہے۔ پیشاب کی زیادتی میں پیڑو اور پیٹھ پر اس کا لیپ کرنا فائدہ مند ثابت ہوتا ہے۔
- جوتری کو زعفران کے ساتھ حل کر کے رحم میں رکھنے سے تنقیہ یعنی رحم سے فاسد مادوں کا اخراج ہو جاتا ہے اور رحم کی اصلاح بھی ہو جاتی ہے۔
- خواتین ایام سے فارغ ہونے کے بعد جوتری کو پیس کر پانی میں حل کر کے رحم میں رکھ لیں تو استقرار حمل میں مفید ثابت ہوتا ہے۔
- جوتری منہ میں خوشبو پیدا کرتی ہے، مفرح ہے، ہاضم ہے، سردی رفع کرتی ہے، رطوبات کو خشک کرتی ہے، ریاح کو تحلیل کرتی ہے۔ اگر ریاح غلیظ کی وجہ سے درد سر ہو تو اس کو روغن بنفشہ میں پیس کر سعوط کرانا چاہیے۔
- جوتری کا کھانا بھی ان امراض کو نافع ہے۔ اس کو کھانے سے تھوک میں خون کا آنا رک جاتا ہے۔

احتیاطیں

- اس کا تنہا استعمال جگر کو نقصان پہنچاتا ہے۔ معجونوں میں شامل کرنے سے جگر کو نقصان نہیں پہنچتا۔ گرم مزاج والے افراد کو درد سر پیدا کرتی ہے۔ امراض جگر میں گوند ببول کے ساتھ استعمال کرنے سے اس کے مضر اثرات ختم ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح درد سر میں جوتری کو صندل اور گلاب کے ساتھ استعمال کرانا چاہیے۔
- جوتری کی مقدار خوراک میں بہت احتیاط برتنی چاہیے کیونکہ اس سے بے ہوشی اور بہت نشہ آ جاتا ہے۔ مکھن میں مصری ملا کر چٹانے سے جوتری کا نشہ اتر جاتا ہے۔

مسائل
پوچھیں اور سیکھیں

مفتی محمد توحید

کلمہ طیبہ کے ساتھ "ﷺ" پڑھنا؟

سوال: کیا کلمۂ طیبہ کے ساتھ "ﷺ" پڑھنا جائز ہے یا کلمہ طیبہ صرف لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ہی ہے؟ بندہ کلمہ طیبہ کے ساتھ زیادتی کی بناء پر "ﷺ" پڑھنے سے روکتا ہے، صرف اس خدشے سے کہ کلمہ میں اضافہ جائز نہیں ہے، کیا میرا یہ روکنا صحیح ہے؟

جواب: کلمہ تو لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ہی ہے، لیکن چونکہ آنحضرت ﷺ کا اسمِ گرامی جب بھی لیا جائے تو اس پر درود شریف پڑھنا احادیث سے ثابت ہے، اس لیے اگر کلمہ کے بعد "ﷺ" پڑھ دیا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں، البتہ اس میں یہ احتیاط کرنی چاہیے کہ "ﷺ" کہتے وقت لہجہ کچھ بدل لیا جائے، تاکہ کلمہ پر اضافے کا شبہ نہ ہو۔

کیا موجودہ سائنسی تحقیقات قرآن وحدیث سے متصادم ہیں؟

سوال: چاند، سورج اور سیاروں کے بارے میں موجودہ سائنس کی جو تحقیق ہے، کیا وہ قرآن کریم کی رو سے درست ہے؟ یہاں بعض حضرات کہتے ہیں کہ سائنس اور قرآن وحدیث میں کوئی تعارض نہیں ہے، لہٰذا اس کی ہر بات درست ہے۔ اور بعض کا کہنا ہے کہ سائنس کے نظریات قرآن سے ٹکراتے ہیں۔ براہِ کرم اس معاملے میں اپنی جامع ومانع رائے سے مطلع فرمائیے!

جواب: 1۔ سب سے پہلے تو یہ بات سمجھ لیجیے کہ سائنس کا بنیادی مقصد ان قوتوں کا دریافت کرنا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس کائنات میں ودیعت فرمائی ہیں۔ اگر ان قوتوں کو انسانیت کی فلاح وبہبود میں استعمال کرنے کی کوشش کی جائے تو یہ اسلام کی نظر میں نہ صرف جائز بلکہ مستحسن ہے۔ اسلام ان کوششوں کے راستے میں کوئی رکاوٹ کھڑی کرنے کے بجائے ان کی ہمت افزائی کرتا ہے۔ اس سلسلے میں اسلام کا مطالبہ صرف اتنا ہے کہ ان قوتوں کو ان مقاصد کے لیے استعمال کیا جائے جو اسلام کی نظر میں جائز اور مفید ہیں۔ دوسرے الفاظ میں سائنس کا کام یہ ہے کہ وہ کائنات کی پوشیدہ قوتوں کو دریافت کرے، لیکن ان قوتوں کا صحیح مصرف مذہب بتاتا ہے، وہ ان اکتشافی کوششوں کے لیے صحیح رخ اور بہتر فضاء مہیا کرتا ہے۔ سائنس اور ٹیکنالوجی اُس وقت انسانیت کے لیے مفید ہوسکتی ہے جب اسے اسلام کے بتائے ہوئے اصولوں کے مطابق استعمال کیا جائے، ورنہ شاید اس سے کسی کو انکار نہیں ہوگا کہ سائنس جس طرح انسانیت کے لیے مادی فلاح وبہبود کا باعث بن سکتی ہے اسی طرح اگر اس کا غلط استعمال کیا جائے تو وہ ہمارے لیے تباہ کن بھی ثابت ہوسکتی ہے۔ مثال ہمارے سامنے ہے کہ ماضی میں سائنس نے جہاں انسانیت کو راحت وآسائش کے اسباب مہیا کئے ہیں وہاں اس کے غلط استعمال نے پوری دنیا کو بدامنی اور بے چینی کا جہنم بھی بنادیا ہے۔ سائنس ہی نے سفر کے تیز رفتار ذرائع بھی ایجاد کیے اور اسی نے ایٹم بم اور ہائیڈروجن بم بھی بنائے، لہٰذا سائنس کا صحیح فائدہ اسی وقت حاصل کیا جاسکتا ہے جب اسے اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے اصول کے مطابق استعمال کیا جائے۔

2۔ دوسری بات یہ سمجھنے کی ہے کہ سائنس کی تحقیقات دو طرح کی ہیں: ایک وہ جو صریح مشاہدے پر مبنی ہیں۔ ایسی تحقیقات نہ کبھی قرآن وسنت سے متصادم ہوئی ہیں اور نہ ہوسکتی ہیں، بلکہ مشاہدہ تو یہ ہے کہ ایسی تحقیقات نے ہمیشہ قرآن وسنت کی تصدیق ہی کی ہے اور قرآن وسنت کی بہت سی وہ باتیں جو کچھ عرصہ پہلے لوگوں کی سمجھ میں ذرا مشکل سے آتی تھیں، سائنس کی ان تحقیقات نے ان کا سمجھنا آسان بنادیا ہے۔ مثلاً معراج کے موقع پر براق کی جس تیز رفتاری کا ذکر صحیح احادیث میں آیا ہے قدیم زمانے کے نام نہاد عقل پرست اسے بعید از قیاس سمجھتے تھے، لیکن کیا آج سائنس نے یہ ثابت نہیں کردیا کہ تیز رفتاری ایک ایسی صفت ہے جس کو کسی حد میں محدود نہیں کیا جاسکتا۔

دوسری قسم کے سائنٹفک نظریات وہ ہیں جو مشاہدہ اور یقین کے بجائے ظن وتخمین پر یا کم علمی پر مبنی ہیں، اور اس سلسلے میں سائنس دان کسی یقینی نتیجے پر ابھی تک نہیں پہنچ سکے ہیں، ایسی تحقیقات بعض اوقات قرآن وسنت کی تصریحات سے ٹکراتی ہیں، ایسے موقع پر سیدھا اور صاف راستہ یہ ہے کہ قرآن وسنت کی تصریحات میں کوئی تاویل کیے بغیر ان پر ایمان رکھا جائے اور سائنس کی جو تحقیقات ان سے ٹکراتی ہیں ان کے بارے میں یہ یقین رکھا جائے کہ سائنس ابھی اپنی کم علمی کی بناپر اصل حقیقت تک نہیں پہنچی، جوں جوں انسان کی سائنسی معلومات میں اضافہ ہوگا، قرآن وسنت کے بیان کیے ہوئے حقائق واضح ہوتے جائیں گے۔

مثلاً: بعض سائنس دانوں کا یہ خیال ہے کہ آسمان کا کوئی وجود نہیں ہے، ظاہر ہے کہ ان کا یہ خیال اس بناء پر قائم نہیں ہوا کہ انہیں آسمان کے موجود نہ ہونے پر کوئی دلیلِ قطعی مل گئی ہے، بلکہ ان کے استدلال کا حاصل صرف یہ ہے کہ ہمیں آسمان کے وجود کا علم نہیں ہوسکا، اس لیے ہم اس کے وجود کو تسلیم نہیں کرتے، لہٰذا ہم جو قرآن وسنت کی قطعیت پر ایمان رکھتے ہیں، پورے وثوق اور اعتماد کے ساتھ یہ کہتے ہیں کہ ان سائنس دانوں کی یہ رائے قطعی غلط ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ قرآن وسنت کی تصریح کے مطابق آسمان موجود ہے، مگر سائنس اپنی کم علمی کی بناء پر اسے دریافت نہیں کرسکی، اور اگر انسان کی سائنسی معلومات میں مسلسل اضافہ ہوتا رہا تو عین ممکن ہے کہ سائنس دانوں کو اپنی غلطی کا احساس ہوجائے اور وہ اسی طرح آسمان کے وجود کو تسلیم کرلیں جس طرح بہت سی ان چیزوں کو تسلیم کیا ہے جن کا پہلے انکار کیا جاتا تھا۔

مشکل یہ ہے کہ ہمارے یہاں ہر چیز کو اس کے مقام پر رکھنے کی زحمت ختم ہوتی جارہی ہے، جب کسی چیز کی اہمیت ذہن پر سوار ہوتی ہے تو بسا اوقات اس میں حدود سے تجاوز ہونے لگتا ہے، اس میں کوئی شک نہیں کہ سائنس اور ٹیکنالوجی نہایت مفید اور ضروری فنون ہیں اور دورِ حاضر میں تو مسلمانوں کے لیے از حد ضروری ہے کہ ان فنون کی طرف بطورِ خاص توجہ دے کر ان میں ترقی کی انتھک کوشش کریں، اس کے بغیر موجودہ دنیا میں ان کے لیے اپنا جائز مقام حاصل کرنا ممکن نہیں رہا، لیکن اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ کوئی سائنس دان اپنے ظن وتخمین سے جس کسی نظریے کا اعلان کردے، اسے وحی کی طرح درست تسلیم کرلیا جائے اور اس کی بناء پر قرآن وسنت میں تاویل وترمیم کا دروازہ کھول دیا جائے یا اس کی بناء پر قرآن وسنت میں شکوک وشبہات پیدا ہونے لگیں، خاص طور پر جب یہ شب وروز کا مشاہدہ ہے کہ سائنس کے اس قسم کے نظریات آئے دن بدلتے رہتے ہیں۔

3۔ یاد رکھیے کہ اسلام کا معاملہ عیسائیت سے بہت مختلف ہے، عیسائی مذہب میں اتنی جان نہیں تھی کہ وہ زمانے کی نت نئی ضروریات اور انسان کی بڑھتی ہوئی سائنٹفک معلومات کا مقابلہ کرسکتی، لہٰذا سائنس اس کے لیے ایک عظیم خطرہ بن کر سامنے آئی۔ اس کے لیے ضروری تھا کہ وہ کلیسا کے وقار کو سلامت رکھنے کے لیے یا تو سائنس کی مخالفت کرے یا اپنے مذہب میں ردوبدل کرے۔ شروع میں رومن کیتھولک اور چرچ نے پہلے راستے کو اختیار کیا اور چونکہ عوام پر اس کا اقتدار قائم تھا اس لیے گلیلیو جیسے سائنس دانوں کو بے شمار رکاوٹوں کا سامنا کرنا پڑا، لیکن جب کلیسا کا اقتدار ڈھیلا پڑا تو اب اس کے لیے سوائے اس کے کوئی راستہ نہیں رہ گیا تھا کہ وہ اپنے مذہب میں ترمیم کرکے اس کی نئی تشریح وتعبیر کریں، چنانچہ اہلِ تجدد (modernism) کے مکتبِ فکر نے یہ راستہ اختیار کرلیا، لیکن یہ سب کچھ اس لیے ہوا کہ عیسائی مذہب کو انتہائی غیر فطری اور غیر معقول بنیادوں پر کھڑا کیا گیا تھا۔ اسلام کا معاملہ اس سے بالکل مختلف ہے، وہ دینِ فطرت ہے اور عقل وخِرَد کی کوئی دلیل اسے چیلنج نہیں کرسکتی۔ اس میں زمانے کی ہر ضرورت کو پورا کرنے اور ہر دور کی تحقیقات کے ساتھ آنکھیں ملانے کی پوری صلاحیت ہے، لہٰذا ہمیں اسلام کے وقار کو سلامت رکھنے کے لیے سائنس کی مخالفت کی ضرورت ہے، نہ اسلام کو بدلنے کی، اس لیے کہ ہمارا ایمان یہ ہے کہ سائنس جس قدر ترقی کرے گی اور انسان کی سائنسی معلومات میں جتنا اضافہ ہوگا، اسلام کی حقانیت اور واضح ہوتی چلی جائے گی، بشرطیکہ انسان کا نقطۂ نظر صحیح معنوں میں سائنٹفک رہے اور وہ محض قیاس وتخمین کو یقین اور مشاہدے کا درجہ نہ دے بیٹھے۔

بس یہ ہے وہ بات جو علمائے دین کہتے ہیں، اس کا حاصل اس کے سوا کچھ نہیں کہ ہر چیز کو اس کے صحیح مقام پر رکھنا چاہئے، جذباتی نعروں کی رو میں آکر حدود سے تجاوز کرجانا دانش مندی کا تقاضا نہیں ہے۔

حیرت ہے کہ اس معتدل اور سو فیصد معقول بات کی وجہ سے بعض حضرات مسلسل یہ تشہیر کررہے ہیں کہ علماء سائنس اور ٹیکنالوجی کے مخالف ہیں اور اس میدان میں ترقی کرنا ایک آنکھ نہیں بھاتا۔ اس الزام کے جواب میں ہم یہ دعا کرنے کے سوا کیا کہہ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان حضرات کو فکرِ سلیم عطا کرے۔ (فتاویٰ عثمانی، ج: ۱، ص: ۱۵۱ تا ۱۵۴)

حفصہ بنتِ سیرینؒ

اہلیہ محمد فیصل

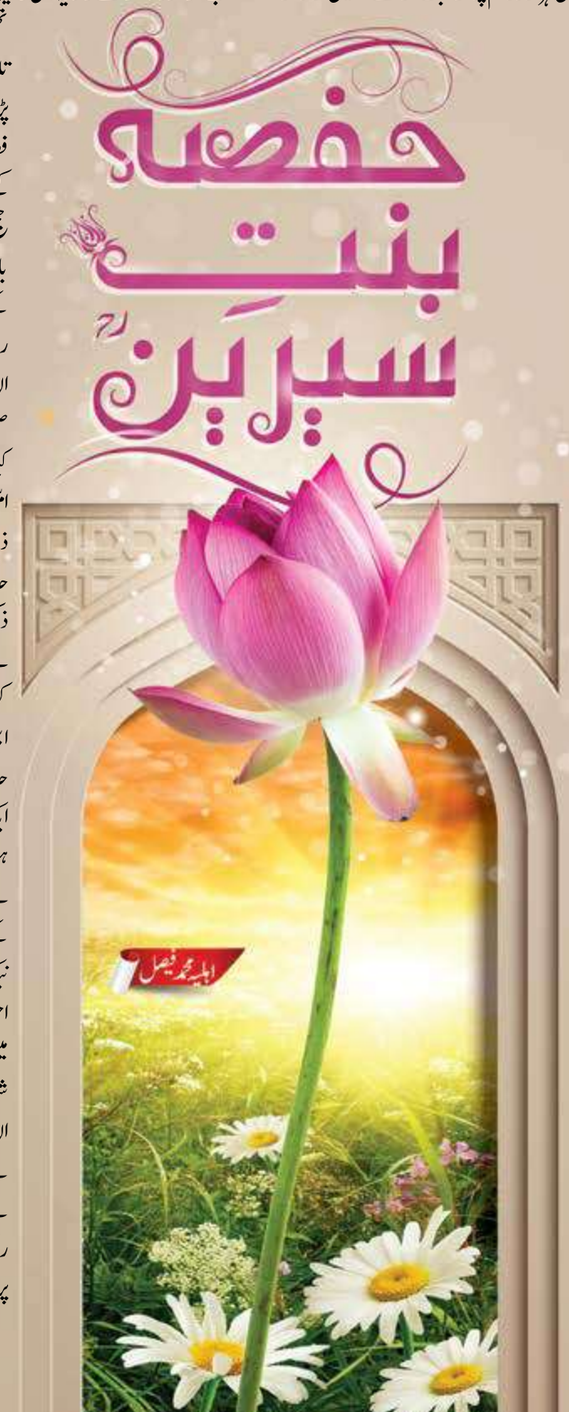

حفصہ بنتِ سیرینؒ 31ھ میں پیدا ہوئیں۔ مشہور تابعی محمد بن سیرین رحمۃاللہ علیہ کی ہمشیرہ تھیں۔ والد کا نام سیرین تھا۔ عین التمر کی جنگ میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھوں گرفتار ہوئے اور مالِ غنیمت کی تقسیم میں غلامی کی حیثیت سے کسی مجاہد کے حصے میں آئے۔ بعد میں مشہور صحابی حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی غلامی میں آگئے‘ انھوں نے بیس ہزار درہم پر مکاتبت کر کے انھیں آزاد کر دیا۔ حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی والدہ ماجدہ کا نام صفیّہ تھا‘ وہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کنیز تھیں‘ اس لیے نکاح کے وقت تین ازواج مطہرات نے ان کو سجایا سنوارا اور اٹھارہ بدری صحابہ‘ جن میں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی شامل تھے ان کے نکاح کی تقریب میں شریک ہوئے۔ امّہات المومنین نے نکاح کے بعد ان کے لیے دعا مانگی‘ جب کہ مردانہ مجلس میں ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ دعا گو تھے اور دیگر صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین آمین کہے جا رہے تھے۔

حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے والد کثیر الاولاد بزرگ تھے۔ آپؒ غلام خاندان کی بیٹی ہونے کے باوجود انتہائی عابدہ و زاہدہ‘ متقی و پرہیز گار خاتون تھیں۔ تابعیات میں ایک بلند مقام ان کے حصے میں آیا۔ عبادات گزاری‘ تقویٰ و ریاضت کے ساتھ ساتھ علومِ قرآن‘ حدیث و فقّہ میں بہت بڑی عالمہ تھیں۔ آپؒ کو ”سیّدۃ التابعیات“ بھی کہا جاتا ہے۔ معروف تابعی ایاس بن معاویہؒ کہتے ہیں کہ ”میں نے حفصہ بنت سیرینؒ سے بڑھ کر کسی کو افضل اور بہتر نہیں پایا۔“

ابنِ داوٗدؒ کا کہنا ہے کہ ”حفصہ بنتِ سیرینؒ‘ عمرہ بنتِ عبد الرحمٰن اور امّ الدرداء صغریٰ رحمۃ اللہ علیھن تینوں علم و معرفت اور تقویٰ اور پرہیز گاری میں اپنا جواب نہ رکھتی تھیں۔

آپؒ بارہ سال کی عمر میں نہ صرف قرآن مجید کی حافظہ ہو گئیں‘ بل کہ سبعہ قرأت پر مکمل عبور بھی حاصل کر لیا اور ساتھ معانی و مطالب بھی ازبر ہو گئے۔ محمد بن سیرینؒ بلاشک و شبہ بہت بڑے عالم تھے‘ مگر جب کبھی قرآن کریم کا کوئی مشکل مقام پیش آتا تو کہتے: ”اس کے بارے میں حفصہ سے پوچھو اور یہ بھی دریافت کرو کہ وہ اس کی قرأت کس طرح کرتی ہیں۔“ ان کا کہنا ہے کہ ”حفصہ قرآن کی سب سے بڑی عالمہ اور قاریہ ہیں۔“

آپؒ قرآن مجید کی عاشق تھیں۔ کثرت سے تلاوت کرتیں اور ایک ایک لفظ کے معنیٰ و مطلب کو غور و فکر کے زاویہ میں لائیں‘ گویا اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْآنَ کی مکمل تفسیر تھیں۔ کہا جاتا ہے کہ آپؒ ہر رات نصف قرآن کی تلاوت فرماتیں۔ بات بات میں قرآن کی آیات پڑھتیں۔ لوگوں کو اس کا مطلب سمجھاتیں اور فضائل بیان کرتیں۔

کہتے ہیں کہ انھوں نے ایک کفن بنا رکھا تھا‘ جسے حج کے موقع پر پہنتی تھیں اور اسی سے احرام باندھتیں‘ رمضان المبارک کے آخری عشرے کے قیام الیل میں اسی کفن کو زیب تن کیے رہتیں۔

ان کے اساتذہ کا حلقہ بہت وسیع تھا۔ جید صحابہ کرام اور تابعین سے شرفِ تلمّذ حاصل کیا۔ ان کے بھائی یحیٰ‘ انس بن مالکؓ‘ امّ عطیّہ انصاریہؓ‘ رباب امّ البرائح‘ ابوالعالیہ‘ ابو ذبیان‘ خلیفہ بن کعب‘ ربیع بن زیاد حارثی‘ حسن بصری کی والدہ حضرت خیرہ قابلِ ذکر ہیں۔ آپؒ کے تلامذہ کی تعداد بھی بے شمار ہے۔ آپؒ ثقہ راویہ ہیں۔ یحیٰ بن معینؒ نے ان کو ثقہ راویہ گردانا ہے اور احمد بن عبداللہ اور ابنِ حبان نے بھی ان کا تذکرہ ثقاتِ اصحابِ حدیث میں کیا ہے۔

ایک مرتبہ نوجوانوں کی جماعت سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ ”نوجوانو! تمہارا شباب کا عالم ہے۔ اس عمر میں کثرت سے عبادت کرو اور اللہ کے ذکر میں اپنے آپ کو مشغول رکھو۔ اس عمر کا نیک عمل زیادہ وقیع اور اللہ کے نزدیک زیادہ قابلِ احترام ہے۔ میں نے اپنی ساری جوانی اللہ کے راستے میں وقف کر دی ہے۔ اٹھو! اللہ کی رضاجوئی کو اپنا شعار بنالو۔“

ان کی تاریخِ وفات میں اختلاف ہے‘ بعض نے ستر برس کی عمر میں 101ھ کہا اور بعض نے 94ھ کہا ہے۔ اللہ پاک کی ان پر کروڑوں رحمتیں نازل ہوں اور ہم کو ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق ملے۔ آمین!